نقطۂ نظر*

قومی ثقافت کی تشکیل**

ڈاکٹر جمیل جالبی

یہ عنوان بظاہر تو تین بنیادی لفظوں پر مشتمل ہے لیکن اس کے اندر معنی کی ایک دنیا چُھپی ہوئی ہے۔ معنی کی وہ دنیا جس کے رشتے حیات و کائنات تک پھیلے ہوئے ہیں اور جس کے تحت وہ ساری باتیں آ جاتی ہیں جن کا تعلق فرد اور معاشرہ سے بھی ہے اور ان کے عقائد و اقدار سے بھی، جن کا تعلق طرزِ عمل سے بھی ہے اور نظام حیات سے بھی —— اُس نظامِ حیات سے جس کی تشکیل معاشرہ نے اقدار، افکار اور قوانین کی شکل میں کی ہے۔ اس موضوع کے قفل کو کھولنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ "قومی" پر غور کر لیا جائے۔ قواعد کی رو سے لفظ "قومی" صفت ہے جس کی نسبت قوم سے ہے۔ قوم کے دو معنی ہیں — ایک محدود اور ایک

---

* مجلس ادارت فکرونظر نے طے کیا ہے کہ تحقیقی مقالات کے علاوہ اہم علمی موضوعات پر اہل علم کی آراء و معلومات کو بھی قارئین کی خدمت میں پیش کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ "نقطۂ نظر" کے نام سے اس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

** یہ مقالہ ڈاکٹر موصوف نے "بین الاقوامی ادارہ اسلامی فکر" اور "ادارہ تحقیقات اسلامی" کے باھمی اشتراک سے منعقد ہونے والے سیمینار (مؤرخہ ۱۹ مارچ ۱۹۹۰ء) میں پڑھا۔

وسیع ـ محدود معنی میں آدمیوں کے گروہ کو ، ایک فرقہ ، ایک نسل ، ایک ذات کے لوگوں کو اجتماعی طور پر قوم کہا جاتا ہے لیکن وسیع اور جدید معنی میں اس کے معنی ذرا مختلف ہیں ـ جب ہم قوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جاپانی قوم ہے ، یہ فرانسیسی قوم ہے ، یہ پاکستانی قوم ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا گروہ جو تاریخ و عقائد ، زبان و طرز عمل اور طور طریق میں نہ صرف گہری مماثلت رکھتا ہے بلکہ وہ ایک معین و مقررہ خطۂ زمین میں ایک حکومت ، ایک قانون، ایک آئین کے تحت رہتا اور زندگی بسر کرتا ہے ـ جاپان ان معنی میں ایک قوم ہے ، چین و فرانس ان معنی میں ایک قوم ہے اور پاکستان ان معنی میں ایک قوم ہے ـ قوم کے وسیع معنی میں ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی زبان بولنے والے لوگ اس میں شامل ہوں ـ اصل چیز یہ ہے کہ ایک طرف ان کی اجتماعی تاریخ ایک ہو، ان کی حکومت ، ان کا قانون ، ان کا آئین ایک ہو ، ان کا متعین خطۂ زمین ہو اور مختلف زبانیں بولے جانے کے باوجود ان کے پاس ایک ایسی مشترک زبان بھی ہو جسے سارے علاقوں میں بولا اور سمجھا جاتا ہو ـ اس نقطۂ نظر سے اپنے ملک پاکستان کو دیکھیئے تو یہ متعین خطۂ زمین پر قائم و دائم ہے ، اس کا ایک آئین ہے اور اس آئین کے تحت ایک حکومت قائم ہے ـ متعدد زبانوں کے درمیان ایک قومی زبان موجود ہے جو سارے ملک کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور مختلف زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ ہے ـ یہاں کی کم و بیش نوےّ فیصد لوگ ایک مذہب کے پیرو ہیں ، سارے علاقوں کے لوگوں کی ایک اور مشترک تاریخ ہے ـ اس ملک کے مختلف علاقوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان

تاریخ ، ثقافت ، مذهب ، انداز فکر وعمل ، عادات و اطوار اور رسم و رواج میں گھری مماثلت پائی جاتی ہے اور وہ ساری بنیادی خصوصیات موجود هیں جو ایک قوم میں پائی جانی چاهئیں ۔ قوم ، جیسا که ایک فرانسیسی مفکر ریناں نے لکھا ہے ، دراصل ایک روح ، ایک روحانی اصول کا نام ہے جس کا ایک قدم ماضی میں هوتا ہے اور ایک حال میں ۔ ایک طرف وہ یادوں کی مشترک اور توانا میراث کی مالک هوتی ہے اور دوسری طرف ایک دوسرے کے ساتھ رهنے کی گھری خواهش رکھتی ہے ۔ عظمت رفته کی مشترک تاریخ پر فخر کرتی ہے اور زمانۂ حال میں ان کو جنم دینے کی گھری خواهش رکھتی ہے ۔ اسی لیے ایک قوم ایک عظیم استحکام کا نام ہے جو جذبۂ ایثار سے ، اپنی ذات کو معاشره کے وسیع تر مفاد پر قربان کرنے سے وجود میں آتا ہے ۔ ایسا ایثار جس کا مظاهره ماضی میں کیا جا چکا هو اور جس کے لیے فرد آج، پہلے سے زیادہ، ایثار کے لیے تیار هو ۔ مشترک زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کی رضامندی اور اس گھری خواهش کی کوکھ هی سے ، حقیقی معنی میں ، قوم جنم لیتی ہے ۔ جتنی زیادہ اور گھری یه خصوصیات کسی معاشره میں موجود هوں گی اتنا هی وہ معاشره جان دار ، متحرک اور تنومند و توانا هو گا ۔

جب اس زاویے سے هم پاکستانی قوم پر نظر ڈالتے هیں تو پاکستانی قوم میں وہ ساری خصوصیات تو موجود و نظر آتی هیں جو ایک قوم میں هونی چاهئیں لیکن سوال یه ہے که آخر وہ روح کیوں نہیں ہے جس سے ایک متحرک اور آگے بڑھنے والی قوم وجود میں آتی ہے ۔ وجه اس کی بہت ساده اور واضح ہے ۔ پاکستانی قوم میں مشترک زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کی خواهش تو موجود ہے

لیکن یہ خواهش اس وقت کمزور پڑنے لگتی ہے کہ جب قانون کی بالادستی قائم نہ رہے یا جب معاشرہ میں قانون تو موجود ہو لیکن عملاً یہ قانون سب کے لیے یکساں نہ ہو۔ اس عمل نے ہمارے معاشرہ میں جبر و استحصال کو جنم دیا ہے۔ ایک محدود طبقہ عوام کے جبر و استحصال میں مصروف ہے اور اس وجہ سے ناانصافیوں کا وہ عفریت احساس محرومی کا منہ پھاڑے کھڑا ہے جس نے معاشرے کو غریب اور امیر دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اسی وجہ سے قوم کے بڑے دھارے میں عوام کی صلاحیت ، قوت و ذھانت کا تازہ پانی شامل نہیں ہو رہا ہے۔ کسی معاشرہ میں مشترک زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کی گہری خواهش تین عوامل کی موجودگی سے بروئے کار آتی ہے :۔

۱۔ یہ معاشرہ ناانصافیوں سے پاک ہو یا کم سے کم بڑی حد تک پاک ہو۔

۲۔ اس معاشرہ میں معاشی و معاشرتی سطح پر اهلیت کی بنیاد پر، سب کے لیے یکساں مواقع کا دروازہ کھلا ہو۔

۳۔ اس معاشرہ میں کوئی طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال نہ کر رہا ہو اور منصفانہ قانون کی بالادستی قائم ہو۔

۴۔ یہ معاشرہ تعلیم کی نعمت سے بہرہ مند ہو اور اس تعلیم کے نتیجے میں اس معاشرہ میں تاریخی شعور موجود ہو۔ اسی تاریخی شعور سے حُبِ وطن کا جذبہ تیز ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بحیثیت مجموعی یہ صورت حال نہیں ہے۔ ہم آزادی کے بعد سے اب تک اسی طرح ذهنی غلامی میں گرفتار ھیں اور اسی طرح معاشرہ کے وسائل و اختیار صرف ایک طبقۂ خواص تک

محدود ھیں ۔ قوانین مملکت اسی کو مضبوط بنا رھے ھیں اور یہ طبقہ اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے ، اپنی دولت و اختیار کے باعث ، ناانصافیوں کا چراغ روشن کیے ھوئے ہے اور معاشی و معاشرتی مواقع کے دروازے عوام پر اسی طرح بند ھیں جس طرح دورِ غلامی میں بند تھے۔ یاد رکھیئے کہ ھر معاشرہ میں عوام ھی حقیقی قوت کا سرچشمہ ھوتے ھیں ۔ عوام جتنے بیدار ھوں گے اور جس حد تک قوم کے وسائل و اختیار سے وہ مساوات کے ساتھ بہرہ مند ھو رھے ھوں گے اسی قدر وہ معاشرہ قوی ، زندہ ، مُتّحد اور مُتحرّک ھو گا ۔ جب یہ صورت نہیں ھو گی تو علاقائی و نسلی تعصبات پروان چڑھیں گے ، نفرتوں کے دیپ جلیں گے اور متحد معاشرہ الگ الگ گروھوں ، طبقوں اور استحصال کرنے والوں اور استحصال کے شکار طبقوں میں تقسیم ھو جائے گا اور اسی کے ساتھ ,,مشترک زندگی،، کا عمل کمزور اور ساتھ رھنے کی خواھش کمزور پڑنے لگے گی ۔ ھمارا معاشرہ ناانصافیوں ، سب کے لیے یکساں مواقع نہ ھونے اور عوام کو قومی زندگی کے بڑے دھارے سے الگ رکھنے کی وجہ ھی سے انتشار کا شکار رھا ہے ۔ یہ بات یاد رکھیئے کہ قوم مفلوک الحال ، جبر و استحصال کے مارے ، بےبس افراد کے مجموعے کا نام ھر گز نہیں ہے۔ اس مسلسل صورت حال سے قوم کی انفرادی و اجتماعی تخلیقی قوتیں بھی متاثر ھوئی ھیں ، قوم پٹری سے اُتر گئی ہے اور ثقافت بھی اُس تخلیقی تنومندی سے محروم ھو گئی ہے جو ناانصافیوں سے پاک معاشرہ میں پھلتی پھولتی ہے۔

لفظ ,,قوم،، کی تشریح کرتے ھوئے ھم نے دیکھا کہ اس کا گھرا اور براہ راست تعلق طرز فکر اور طرز عمل سے ہے اور انفرادی و اجتماعی طور پر طرز فکر و عمل کا تعلق ,,ثقافت،، سے ہے۔ جیسا کہ

هم سب جانتے هیں که ثقافت کا تعلق فرد اور معاشرہ کے اس عمل سے هوتا ہے جس کی بنیاد میں وہ فکر ، عقیدہ ، نظریه یا خیال هوتا ہے جس پر وہ معاشرہ اور اس کے افراد یقین رکھتے هیں ۔ اس کے معنی یه هوئے که فکر ، عقیدہ نظریه یا خیال ,,ثقافت،، کی روح کا نام ہے اور عمل اس کا جسم ہے ۔ عمل کا اثر فکر پر پڑتا ہے اور فکر کا عمل پر ۔ دونوں ایک دوسرے کو بدلتے بھی هیں اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق ڈھالتے بھی جاتے هیں ۔ جب فکر و عمل کا یه تعلق کمزور پڑتا ہے اور جب معاشرہ ,,جو کہتا ہے کرتا نهیں اور جو کرتا ہے کہتا نهیں،، کے دور میں آ جاتا ہے تو پھر وہ زوال پذیر هو کر منجمد هونے لگتا ہے ۔ دنیا کی ساری ثقافتوں اور ساری تہذیبوں کا مطالعه یہی بتاتا ہے که بڑی بڑی ثقافتوں کے زوال کا بنیادی سبب یہی ہے ۔ اسی لیے فکرو خیال کو جامد هونے سے بچانے کے لیے معاشرہ کے مفکر اور اهل بصیرت فکر و خیال کی تشکیل نو کے کام کو جاری رکھتے هیں ۔ امام غزالی نے اپنے دور میں یہی کام کیا ۔ شاہ ولی الله نے اپنے زمانے میں یہی کام کیا ۔ سرسید احمد خاں نے انیسویں صدی میں اور علامه اقبال نے بیسویں صدی میں مسلم نشاۃ الثانیه کے لیے یہی کام کیا ۔ یه انتہائی ضروری و بنیادی کام ہے اور هر دور میں هوتے رهنا چاهئیے ۔ همارے دور میں بھی اور آنے والے زمانوں میں بھی ۔

زندہ ثقافت کے بارے میں یه بات یاد رکھنی چاهئیے که وہ ,,جامد،، نهیں هوتی بلکه بدلتی هوئی زندگی کے ساتھ بدلتی رهتی ہے ۔ بدلنے کا یه عمل تدریجاً اس طور پر هوتا ہے که اس کی بنیادی اکائی تو ثابت و سالم رهتی ہے لیکن اس کے رنگ میں ایک نئے امتزاجی رنگ کا اضافه هو جاتا ہے ۔ اس ,,تبدیلی،، کے عمل سے گزرنے کی وجه سے اس میں هر دم بدلتی زندگی سے آنکھیں ملانے اور زندگی کے مسائل

کو حل کرنے کی قوت اسی طرح باقی رهتی ہے جس طرح پہلے تھی ۔ یہ تبدیلی اس کے دائرہ فکروعمل کے اندر هوتی ہے ۔ دوسری بات یہ بھی یاد رکھنی چاهئیے کہ ثقافت ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل هوتی رهتی ہے ۔ جب ایک نسل اپنی ثقافتی روایت کو دوسری نسل کو منتقل کرتی ہے تو ان تبدیلیوں کے ساتھ منتقل کرتی ہے جو اس نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، اس میں نئے عناصر شامل کر کے یا پرانے عناصر میں رد و بدل کر کے ، کی تھی ۔ گویا ثقافت مستقل بھی هوتی ہے اور بدلتی بھی جاتی ہے ۔ تیسری بات یہ یاد رکھنی چاهئیے کہ زندہ ثقافت کسی ایک فرد ، جماعت یا طبقے کی ملکیت نہیں هوتی بلکہ سارے معاشرہ کی ملکیت هوتی ہے جس میں عوام و خواص ، امیر و غریب ، ادنیٰ و اعلی سب شامل هوتے هیں ۔ چوتھی بات یہ یاد رکھنی چاهئیے کہ ثقافت کے مختلف مظاهر مثلاً زبان و ادبیات ، علوم و سائنس ، موسیقی و مصوری ، فن تعمیر ، کھیل کود ، شادی بیاہ کے رسم و رواج ، کھانے پینے کے طور طریقے ، سیاسی و تعلیمی نظام ، معاشی و مادی اقدار سب کے پیچھے فکر ، عقیدہ اور اخلاق کا ایک نظام هوتا ہے جو انهیں عملی سطح پر ایک ایسی صورت عطا کرتا ہے جس میں عقیدہ و اخلاق کی روح همیشہ موجود رهتی ہے اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتا هوں ۔ پاکستانی معاشرہ بنیادی طور پر مسلمانوں کا معاشرہ ہے ۔ اس معاشرے کے عقائد و اخلاق اسلام پر مبنی هیں ۔ اگر آپ سارے معاشرے کے سارے علاقوں کی عورتوں کا رنگا رنگ لباس دیکھیں تو آپ کو ان سب لباسوں میں اسلام کا تصور حیا کارفرما . نظر آئے گا اور کوئی بھی لباس ایسا نہیں هو گا جس سے عریانی ، بے حیائی اور نمائش جسم کا اظہار هوتا هو ۔ اسی طرح پاکستان کے هر علاقے کے کھانوں کو دیکھئیے ۔

سینکڑوں قسم کے لذیذ و لطیف کھانے طرح طرح سے پکائے جاتے ھیں لیکن ان کھانوں میں سے ایک کھانا بھی ایسا نہیں ھو گا جس میں مے ارغوانی کا چھینٹا یا حرام گوشت شامل ھو۔ اسی لیے پاکستانی کھانے لذت و ذائقہ کے اعتبار سے مختلف تو ھو سکتے ھیں لیکن ان کی بنیاد میں وہ روح اور وہ فکر موجود ہے جو اسلام کی روح سے تعلق رکھتی ہے۔ ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ثقافت کی روح عقیدہ و اخلاق کے ایک مخصوص نظام سے نمو پاتی ہے اور ہر معاشرہ اسی عقیدہ و اخلاق کی صورت پر پیدا ھو کر اپنی ذھنی و مادی صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح مختلف معاشرے مختلف عقائد اور مختلف نظامِ فکر کے حامل ھونے کی وجہ سے بنیادی طور پر مختلف ھو جاتے ھیں ۔ کوئی معاشرہ سرمایہ دارنہ نظام پر اپنے فکر و اخلاق کی بنیاد رکھتا ہے۔ کوئی اشتراکی نظام فکر کے مطابق اپنے معاشرے کی صورت بناتا ہے اور کوئی اسلامی فکر پر اپنے معاشرہ کے تشکیل کرتا ہے۔ جب کوئی عقیدہ ، کوئی نظام فکر ، کوئی نظریہ کسی معاشرے کی روح بن جاتا ہے تو اس معاشرہ کی ثقافت بھی اسی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اس طرح ثقافت کسی فکر ، کسی عقیدہ ، کسی نظام خیال کے طرز زندگی اور طرز عمل بن جانے کی مجموعی صورتوں کا نام ہے۔ کسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تو ھم اپنے عقیدہ کے مطابق اللہ کا شکر ادا کرتے اور خیر و برکت کے لیے ھاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ھیں ۔ اذان کی آواز سنتی ھیں تو عورتیں اپنے سروں کو ڈھانپ لیتی ھیں ۔ کھانا سیدھے ھاتھ سے کھاتے ھیں ۔ بچہ اگر الٹے ھاتھ سے کھانا کھائے یا سلام کرے تو اسے ٹوکتے ھیں ۔ اسلام چونکہ سیدھے ھاتھ کو اھمیت دیتا ہے تو مسلمان اپنے سارے کام سیدھے ھاتھ سے اور سیدھی طرف سے کرتے ھیں ۔ نماز ختم کرتے ھیں

تو پہلے سلام سیدھے ہاتھ کی طرف پھیرتے ہیں ۔ ہمارا رسم الخط بھی اسی وجہ سے سیدھے ہاتھ کی طرف سے لکھا جاتا ہے۔ پانی پیتے ہیں تو سیدھے ہاتھ سے اور طواف کعبہ کرتے ہیں تو سیدھے ہاتھ کی طرف سے ۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو عام زندگی میں ہمارا طرز حیات ہے۔ اسی طرز حیات سے ہماری ثقافت نے جنم لیا ہے۔ اس میں دین و دنیا ، مادہ و روح ، طبعیات و مابعد الطبعیات سب مل جل کر ایک وحدت ، ایک اکائی بناتے ہیں اور اس اکائی کی روح میں ہمارا نظام خیال شامل ہوتا ہے۔ اسی عمل سے پیدا ہونے والی مخصوص صورت کا نام ثقافت ہے ۔

میرا خیال ہے کہ ثقافت کی اتنی وضاحت میں نے ضرور کر دی ہے جتنی اس وقت ضرورت تھی ۔؟ اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ جب ہم قومی ثقافت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو ان سے ہماری کیا مراد ہے؟ اس میں ایک طرف تو یہ بات شامل ہے کہ ملک کے سارے علاقوں کی روح ، قومی سطح پر اور بحیثیت مجموعی ، معاشرہ کے اندر مشترک ہے اور ان سب علاقوں اور ان میں بسنے والے لوگوں کا کعبہ ، مرکز ، مخرج و منبع ایک ہے۔ اس زاویے سے جب ہم پاکستان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب علاقوں کے طور طریق ، فکرونظر اور طرز زندگی میں گہری قربت اور گہری مماثلت موجود ہے ۔ ان سب کا عقیدہ ایک ہے ، اس عقیدہ سے پیدا ہونے والا طرز زندگی ، موسمی و آب و ہوا کے تغیرات کے ساتھ ، بنیادی طور پر ایک ہے۔ کوئی ریگستانی علاقہ میں رہتا ہے۔ کوئی پہاڑوں پر رہتا ہے ۔ کوئی زرخیز میدانی علاقوں میں رہتا ہے ، کوئی برف پوش پہاڑوں کے درمیان رہتا ہے۔ کوئی ساحل سمندر پر آباد ہے۔ جغرافیہ ، موسم اور ماحول کے لحاظ سے ان کی ضروریات زندگی اور ان کے

لباس وغیرہ میں فرق ضرور ہے لیکن ان سب کے اندر فکر و عقیدہ کی روح حیات ایک ہے۔ ان کا طرز زندگی کم و بیش ایک ہے۔ اسی لیے ان سب علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کا رسم الخط ایک ہے۔ ان کی تلمیحات ، علامات و کنایات کا ذخیرہ ایک ہے۔ تصوف کی روایت ایک ہے ۔ ان سب زبانوں کا بنیادی ذخیرۂ الفاظ بھی ایک دوسرے سے قریب ہے اور پھر ان کے درمیان ، اسی رسم الخط میں لکھی جانے والی اور انھیں تلمیحات ، علامات و کنایات کی حامل ان سب علاقوں میں بولی اور سمجھی جانے والی ایک مشترک قومی زبان بھی موجود ہے جو ان سب علاقوں کے لوگوں کے درمیان رابطے اور اشتراک کا ذریعہ ہے۔ اشتراک ، طرزِ فکر اور طرزِ حیات کی یہ نوعیت اس طرح اور اس طور پر بہت کم معاشروں میں اس قدر اور اتنی پائی جاتی ہے۔ یہ وہ حقیقی صورت ہے کہ جو ہمارے لیے ایک نعمت ، ایک خیر اور اجتماعی زندگی کا مثبت پہلو ہے۔ ہم میں ایک صحت مند و توانا اور آگے بڑھنے والی قوم بننے کی جتنی گنجائش موجود ہے اتنی گنجائش دوسرے معاشروں میں کم کم نظر آتی ہے ۔

اب آپ یہاں یہ سوال اٹھانے میں یقیناً حق بجانب ہوں گے کہ پھر آخر ہم اب تک صحت مند و توانا قوم بن کر زندگی کو آگے بڑھانے والی ثقافت پیدا کرنے سے کیوں قاصر رہے ہیں ؟ اس کے کئی وجوہ ہیں ۔ آئیے ان پر بھی ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہیں : ۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ دو سو سال کی غلامی سے پیدا ہونے والا ,,ذہن،، ہمیں ,,ورثہ،، میں ملا ہے جس نے ایک طرف ہمیں اپنے مرکز سے ہٹا رکھا ہے اور دوسری طرف اس دورِ غلامی کی اقدار و تصورات کو ہم نے آج تک اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے۔ آزادی (۱۴ ۔

اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد بھی ہم اسی ,,ذہن،، ، اسی ذہنیت اور انہیں اقدار و تصورات سے چمٹے ہوئے ہیں اور انہیں پر اپنے ,,اداروں،، کو کم و بیش یکساں صورت میں قائم و برقرار رکھے ہوئے ہیں ۔ دورِ غلامی کے بعد دورِ آزادی کی نئی روح کو ہم نے اپنے معاشرتی ، معاشی ، دفتری اور فکری نظام میں شامل نہیں کیا ہے ۔ اس کے نتیجے میں استحصال کرنے والے طبقے اسی طرح قائم و دائم ہیں اور عوام اسی طرح استحصال کا شکار ہیں ۔ پہلے انگریز آقا تھا ۔ اب طبقۂ خواص آقا ہے ۔ صرف آقا بدلے ہیں ۔ نظام نہیں بدلا ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے معاشرتی و معاشی نظام میں عدل و انصاف کو ، اہلیت کی بنیاد پر یکساں مواقع اور مساوات کو اپنے نظام فکر میں عملاً کوئی جگہ نہیں دی ہے ۔ عوام اسی طرح ناانصافیوں کے جبر کا شکار ہیں جس طرح دور غلامی میں تھے جبکہ عوام ۹۸ فی صد ہیں ۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے بحیثیت قوم ، تسلسل کے ساتھ ، سیاسی نظام کو قائم نہیں رکھا ہے اور آزادی کے بعد سے ہماری قومی زندگی ٹوٹ ٹوٹ کر سیاسی اداروں کے بغیر چلتی رہی ہے جس نے حبِ وطن کے جذبہ کو کمزور اور ہماری قومی مرکزیت کو بے سمت کر کے ایثار کے جذبہ کو کم اور مفادات کی ہوس کو تیز کر دیا ہے ۔ اس صورت حال نے لِسانی و علاقائی جذبات کو کافی مقدار میں ایک دم جل اُٹھنے والا خشک ایندھن فراہم کیا ہے ۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ,,نئے آزاد انسان،، کی پیدائش کے لیے اپنے نظام تعلیم کو قومی ضرورت اور قومی تقاضوں کے مطابق تبدیل نہیں کیا ہے ۔ وہی نظام تعلیم ، جو دورِ غلامی سے ہمیں ورثہ میں ملا تھا ، ہم نے قبول کر لیا ہے ۔ یہ نظام تعلیم نئی نسل میں تخلیقی قوتیں

اور نئے نئے کارنامے انجام دینے کی خواهش و جذبه کو نهیں ابھارتا بلکه معاشرتی زندگی کے ایک ادنی پُرزه بننے کے لیے تیار کرتا ہے۔ یهی وجه ہے که همارے کالج اور هماری یونیورسٹیاں بےمقصد اور بے سمت تعلیم دے کر بےروزگاری بڑھانے والی، فیکٹریاں بن کر ره گئی هیں ۔ هم اتنی سی بات سمجھنے سے قاصر هیں که جب تک طالب علم کے ذهن میں اُس علم کے ، جو وه حاصل کر رها ہے ، بنیادی تصورات واضح اور صاف نهیں هوں گے وه اس علم پر نه قدرت حاصل کر سکتا ہے اور نه اس میں کوئی اضافه یا تخلیقی کارنامه انجام دے سکتا ہے۔ اس کی وجه یه ہے که اسے تعلیم انگریزی کے ذریعه دی جا رهی ہے اور اس زبان کے ذریعه علم حاصل کرتے وقت اس علم کے ، جو وه حاصل کر رها ہے ، بنیادی تصورات واضح اور صاف نهیں هوتے ۔ اوسط درجه کا طالب علم جس کی تعداد هر جماعت میں نوے فی صد هوتی ہے اس تعلیمی جبر کا شکار ہے۔ یه بات واضح رهے که ایک بیرونی زبان سیکھنا ، اس پر قدرت حاصل کرنا ایک الگ بات ہے اور بیرونی زبان کے ذریعے علم حاصل کرنا ایک بالکل مختلف اور منفی بات ہے۔ یه بات جس قدر جلد همارے معاشرے کی سمجھ میں آ جائے اسی قدر هم بند دروازوں کو کھولنے میں کامیاب هوں گے ورنه همارے هاں نه کوئی موجد پیدا هو سکے گا اور نه کوئی اعلی سائنس دان ، مُفِکر ، فلسفی یا دانشور پیدا هو سکے گا ۔ گذشته ۴۳ سال کی تاریخ همارے سامنے ہے۔ اس طرح یه نظام تعلیم ایک طبقے کے مفادات کی خدمت تو کر رها ہے لیکن معاشره کی کثیر آبادی کی صلاحیتیں بے وجه ضائع هو رهی هیں ۔ یه جو انگریزی میڈیم اسکولوں کی تعداد گھاس پھوس کی طرح روز بروز بڑھ رهی ہے اور بهترین ذریعۂ تجارت ہے اس کی وجه یه ہے که عوام

اور دوسرے احساسِ محرومی کا شکار طبقات اختیار و اقتدار میں شامل ہونے کے لیے انگریزی ذریعۂ تعلیم کے مدرسوں میں اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کو بھیج رہے ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ سی ایس ایس اور دوسرے مقابلوں کے امتحانوں میں ۹۸ فی صد عوام کے لیے راستے بند کر کے دو فی صد طبقۂ خواص کے لیے راستہ کھولنے کے لیے صرف انگریزی کو انٹرویو اور جواب دینے اور لکھنے کی زبان کا درجہ دے رکھا ہے ۔ ۱۹۷۹ء میں انگریزی کے بجائے قومی زبان کو جو پہلی جماعت سے ذریعۂ تعلیم بنایا گیا تھا اسے بلا اعلان و بلاجواز ۱۹۸۸ء کے اوائل میں ترک کر دیا جب کہ یہ بچے اب نویں جماعت میں آ گئے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوہرے نظام تعلیم کی وجہ سے ساری قوم تعلیمی سطح پر نراجیت کا شکار ہے ۔ دوہرا نظام تعلیم ہمارے ذہنی ، فکری اور تخلیق نظام کے زوال کا سبب ہے ۔ جب تک یکساں نظام تعلیم قائم و رائج نہیں کیا جائے گا ہم کسی خیر کی توقع نہیں رکھ سکتے ۔ میں اپنی اس بات کو پھر دہراتا ہوں کہ گذشتہ ۴۳ سال کی ہماری تاریخ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

اس ساری صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ صحیح اور قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ، مثبت نظام تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ، اور تسلسل کے ساتھ سیاسی اداروں کی مثبت روایت قائم نہ ہونے کے باعث ، ہم ہر قابلِ قدر چیز اور ہر قابل احترام قدر کو کوڑے کے ڈبے میں ڈالنے اور نفرت کے صابن سے ہاتھ دھونے کے عمل میں تو مصروف رہے ہیں لیکن قوم کو نئی زندگی کا راستہ دکھانے سے دور رہے ہیں ۔ یہی وہ منفی اقدار ہیں جو فطری معاشرتی عمل کو روک رہی ہیں اور قوم اور اس کی ثقافت کو صحت مند و توانا نہیں بننے دیتیں ۔ مشہور ماہر عُمرانیات سوروکن ، مختلف قدیم و جدید

معاشروں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ :

,,منفی قدریں جلد یا بدیر خود ان کو فنا کر دیتی ہیں جنھوں نے انہیں سینے سے لگا رکھا ہے۔ ثقافت یا کلچر اسی وقت انسانیت کا اثاثہ بن سکتی ہیں جب اس کی قدریں مثبت ہوں۔ مثبت قدریں زندگی کو آگے بڑھاتی ہیں۔ منفی قوتیں خود زندگی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ خود اس کے وجود کو کھا جاتی ہیں ،،۔

ماہر عمرانیات سوروکن کی اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے آئیے ذرا دیر کو برصغیر کی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کی داستان مثبت و منفی قوتوں کے عروج کی داستان ہے حتیٰ کہ انفرادی زندگی کی کامیابی و ناکامی کا راز بھی مثبت یا منفی قدروں پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ نفرت ، تنگ نظری ، جلد غصہ میں بھڑک اٹھنا ، تعصب ، منافقت ، ناانصافی ، حیوانیت اور خود غرضی ، منفی قدریں ہیں۔ محبت ، فراخ دلی ، انصاف ، انسانیت ، تحمل و بردباری ، ایثار ، اپنے شاندار ماضی پر فخر و افتخار مثبت قدریں ہیں۔ عظیم بہمنی سلطنت مغلیہ سلطنت کے قیام سے تقریباً پونے دو سو سال پہلے برعظیم کے نقشے پر نمودار ہوئی اور مثبت قدروں کے سہارے عروج پر پہنچی لیکن جب طبقہ و فرقہ ورانہ کشمکش ، علاقائی تعصبات ، لسانی نفرتوں ، ظلم و جبر ، ناانصافی و خود غرضی نے اس عظیم سلطنت کو گھیر لیا اور ملکی و غیر ملکی کی بنیاد پر محمود گاواں جیسے وزیر کو قتل کر دیا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے یہ سلطنت پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان سب ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے مغلوں نے اپنی سلطنت میں جذب کر لیا۔ خود عظیم مغلیہ

سلطنت جب علاقائی تعصبات ، فرقه وارانه کشمکش ، مذهبی فرقه بندیوں اور ایرانی و تورانی کے جهگڑوں میں پهنس گئی اور خود غرض و تنگ نظری نے ان کی روشنی چهین لی ، وسیع تر قومی مقاصد غائب هو گئے، عیاشی ، زرپرستی اور دولت کی هوس نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو سات سمندر پار سے آنے والی قوم فرنگ نے اسے فتح کر لیا ۔ سرسری راگ کی تیسری داستان کے گیارهویں شعر میں سندهی زبان کے بڑے شاعر شاہ عبداللطیف بهٹائی نے معلم ، ملاح ، کشتی ، سمندر اور بڑهئی کی علامات کے ذریعے اسی صورت حال کی طرف یوں اشارہ کیا ہے ۔ آپ بهی سن لیجیئے :

,,کشتی سمندر میں هچکولے کها رهی ہے ۔ بڑهئی نے جو میخیں لگائی تهیں وہ کمزور هو گئی هیں ۔ معلّم اپنی جگه پر نهیں ہے ۔ اس وجه سے فرنگی گهس آئے هیں ۔ اے ملاح! تیری کشتی میں چور داخل هو گئے هیں ،، ۔

یه وہ چند عوامل هیں جنهوں نے مل کر همیں الٹے راستے پر ڈال دیا ہے۔ ,,قومی ثقافت،، اسی لیے بروئے کار نهیں آ رهی ہے۔ یه علاقے اور ان کا جغرافیه تو آزادی سے پہلے بهی موجود تها لیکن آزادی کے بعد ، پاکستان کے حوالے سے ، ان کے معنی بدل کر یه هو جاتے هیں که اب پاکستان ایک ,,کل،، ہے اور یه سب علاقے اس کا جزو لاینفک هیں ۔ یهاں پاکستان کی حیثیت ایک ,,کل،، کی ہے ۔ اس انداز نظر سے یه بات پیدا هوتی ہے که پاکستان ایک قوم کا وطن ہے جو چار علاقوں میں رهتی ہے۔ یه چار قومیتوں کا وطن نهیں ہے جو پاکستان میں رهتی هیں ان دونوں باتوں میں بڑا اور بنیادی فرق ہے ۔ همیں اپنی علاقائی ثقافتوں کے مثبت اور مشترک پهلوؤں سے قومی ثقافت کے خدوخال ابهارنے چاهئیں تاکه اصول وحدت سے پاکستان کی قومی ثقافت

نمایاں و ممتاز ہو سکے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس اصولِ وحدت کے نمائندہ اور حقیقی ترجمان ہمارے فراخ دل عوام ہیں اور اسی لیے عوام ہی کو ہمیں اپنی فکر، اپنی حکمت عملی اور سیاسی و ثقافتی نظام خیال میں مرکزی و بنیادی جگہ دینی چاہئیے ۔

اس زاویۂ نظر کے ساتھ ، جس کی وضاحت میں نے آپ کے سامنے کی ہے ، اب ہم قومی ثقافت کے تعلق سے ,,تشکیل،، کے مسئلہ کی طرف آتے ہیں ۔ یہاں اس محدود وقت میں تشکیل کے تعلق سے ساری باتیں بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن چند بنیادی باتوں کی طرف آپ کی توجہ ضرور مبذول کرائی جا سکتی ہے ۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قومی یک جہتی کے لیے مختلف علاقائی ثقافتوں کے ان پہلوؤں اور عناصر کو ابھارا جائے اور پاکستان کے سارے علاقوں میں پھیلایا اور عام کیا جائے جو سارے پاکستان کے علاقوں میں مشترک ہیں ۔ ساتھ ہی علاقائی تقاضوں کے ان مثبت عناصر کو تلاش کیا جائے جن کو قومی سطح پر لانے سے ثقافت کی مثبت قدروں کو فروغ حاصل ہو گا ۔ لیکن یہ کام اہم و بنیادی ہوتے ہوئے بھی بےمعنی ہو کر رہ جائے گا اگر عدل و انصاف کا یکساں نظام سارے پاکستان میں جاری و ساری نہ کر دیا جائے ۔ عدل و انصاف میں یکساں نظام تعلیم بھی شامل ہے اور نامساوات کو دور کرنے والا عادلانہ معاشی نظام بھی ایک طبقہ نے اب تک سیاست ، معیشت اور مذہب سب کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا ہے ۔ قومی ثقافت اور آگے بڑھنے والی قوم کی تشکیل کے لیے اب اس استحصال کو روکنے کی ضرورت ہے ۔ نامساوات ہی وہ اصل بیماری ہے جس کی کوکھ سے ناانصافی پیدا ہوتی ہے ۔ اہلیت و صلاحیت بے معنی ہو جاتی ہے اور اقتدار ، دولت اور زمین سب سمٹ کر چند

ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔ اس نامساوات کی وجہ سے ملک کی آبادی کا ۹۸ فی صد حصہ اپنی فطری ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے پیدائشی حق سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام زندگی میں عدم تحفظ کے احساس نے احساس محرومی کو جنم دیا ہے۔ ہمارے عوام روئے زمین کے بہترین عوام ہیں۔ صابر و شاکر بھی اور باصلاحیت بھی۔ ان کی صلاحیتوں کو عدل و انصاف اور مساوات کی قدروں کے ذریعہ قومی دھارے کے گدلے پانی میں شامل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سارا پانی صاف و پاک ہو جائے۔

اسی طرح تشکیل نو کے لیے قوم کے سامنے عظیم مقاصد کو سامنے رکھا جائے اور ان مقاصد کو مقررہ وقت میں حاصل کرنے کے لیے ساری قوم کو متحرک کیا جائے۔ کوئی نظام جو نیچے سے اوپر تک ، یکساں طور پر ، سارے معاشرے کو سیراب نہ کرے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضبط و تحمل کے ساتھ اپنے حریف کی بات ٹھنڈے دل سے سننے اور اس کا جواب دینے کی روایت کو اہمیت دے کر عام کیا جائے تاکہ جمہوری روایت کو فروغ حاصل ہو سکے اور معاشرہ کی تربیت ہو سکے۔ بیسویں صدی کی دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی و مغربی یورپ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھیں گے کہ وہاں ,,نیا انسان،، پیدا کرنے میں تقریباً دس سال کا عرصہ لگا مثلاً ہٹلر نے دس سال سے کم عرصے میں جرمن قوم کو نازی نظام کے تحت فاشسٹ قوم میں تبدیل کر دیا اور جنگ کے بعد اسی قوم کو تبدیل کرنے میں ایڈینیور (Adeneur) اور ایر ہارڈ (Erhard) جیسے بصیرت رکھنے والے راھنماؤں کو سات سال سے زیادہ عرصہ نہیں لگا کہ اسی معاشرے کو ایک انتہائی جمہوری اور متحرک معاشرہ بنا دیا۔ یہ کام صرف معاشی حکمت عملی سے نہیں بلکہ تعلیمی و ثقافتی

حکمت عملیوں سے ممکن ہو سکا ۔ اسی لیے قومی ثقافت کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ہم ثقافتی رنگ و مزاج کا حامل تعلیمی پروگرام شروع کریں ۔ خود ہمارے مفکر ، باہر سے ماہرین بلائے بغیر ، اس نظام کو وضع کریں اور پھر ساری قوم کو ساتھ لے کر اس پروگرام کو نافذ کیا جائے ۔ اس پروگرام کو صرف حکومت خود نہ چلائے بلکہ سارے معاشرے اور عوام کو اس میں شریک کرے اور اسے کامیاب بنانے میں حکومت صرف سہارا دینے کا کردار ادا کرے ۔ ہم اب تک سارے کاموں کے لیے صرف حکومت کی طرف دیکھتے ہیں ۔ حکومت صرف مدد کرے ، سہارا دے اور عوام خود اسے انجام دیں تاکہ ان میں احساس افتخار کے ساتھ اس مقصد کو حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہو۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان اپنی سرحدوں پر پاکستانی عوام نے ایک ماہ کے عرصے میں ایک نہر کھود کر تیار کر دی تھی ۔ حکومت نے صرف سہارا دیا تھا اور عوام نے خود یہ کارنامہ انجام دیا تھا ۔ نہ اس واقعہ پر کوئی افسانہ یا ناول لکھا گیا اور نہ کوئی ڈرامہ پیش ہوا ۔ اور اسی لیے یہ عظیم واقعہ آج ہمارے ذہن سے فراموش ہو گیا ہے ۔ یہی وہ احساس افتخار ہے جو معاشروں کو تبدیل کر سکتا ہے ۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سارے معاشرے کو اپنے کاموں میں شریک کیا جائے مثلاً ایک ایک گاؤں ، ایک ایک دیہات کا جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ وہاں کیا ایسی سہولتیں فراہم کی جائیں کہ وہاں روزگار کے ذرائع پیدا ہو سکیں ۔ ہر گاؤں ، دیہات میں وہاں کے ہنروں اور دستکاریوں کی حوصلہ افزائی صرف سہولت فراہم کر کے کی جائیں تاکہ وہ چھوٹا سا معاشرہ بیدار اور زندہ ہو جائے اور استحصال سے اسے نجات ملے ۔ ابتدائی تعلیم میں ان ہنروں اور

دستکاریوں کی تربیت بھی شامل ہو جو اس گاؤں یا دیہات میں صدیوں سے جاری ہیں ۔ پرائمری تعلیم کو ذہنی تربیت اور بامقصد تعلیم کا مرکز بنا کر اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے ۔ اب تک ہمارے ہاں پرائمری تعلیم اور اسکولوں کی جو حالت ہے وہ اس سے کہیں بدتر ہے جو دور غلامی میں تھی ۔ پرائمری تعلیم کو ، ہر تعصب سے بلند اُٹھ کر ، قومی نقطۂ نظر سے ، اسے دیکھا اور ڈھالا جائے ۔ دور غلامی میں انگریزوں نے ہمیں اپنی جڑوں سے کاٹ کر اپنے پیڑ کی جڑوں میں ہماری قلم لگا دی تھی ، جس کی وجہ سے ہماری ذہنی نشوونما رک گئی ہے ۔ اسے دوبارہ اپنی جڑوں سے پیوستہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ اقبال نے اسی لیے کہا تھا :

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

آئیے اب ایک اور قدر کی طرف آتے ہیں اور وہ ہے اصراف بے جا کی ۔

اصراف بےجا ہماری ثقافت کا حصہ بن چکا ہے ۔ ہمارے بہت سے معاشی مسائل اسی وجہ سے ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ۔ یہ ایک منفی قدر ہے ۔ قومی ثقافت کی تشکیل نو کے لیے اس پر توجہ کی ضرورت ہے تاکہ طبقہ خواص سے پیدا ہونے والی یہ بیماری ، جو عوام تک سرائیت کر گئی ہے اور جُھوٹی نمائش اور معاشرتی مقابلہ کا سبب بن گئی ہے ، اسے روک کر دور کیا جا سکے ۔ سارا معاشرہ غیر پیداواری سرگرمیوں میں ملوث اور اس کا شکار ہے ۔ بدنظمی ، لاپرواهی ، انسانی همدردی و مهربانی کا فقدان ، ہوس زر ، جس کی وجہ سے سارا معاشرہ زر پرستی کا شکار ہو گیا ہے ، ان منفی قدروں کو مثبت قدروں سے بدلنے کی طرف توجہ دی جائے ۔ قانون شکنی اور بددیانتی ہمارا قومی مزاج بن گیا ہے ۔ یہ منفی قدریں گھن کی طرح

اندر ھی اندر قوم کو کھا رھی ھیں ۔ ان کے علاج کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ یہ وہ چند بیماریاں ھیں جن میں ھمارا معاشرہ مبتلا ہے۔ بیماریوں کی تشخیص بذات خود علاج تلاش کرنے کا راستہ ہے۔ مفکروں کو چاھئیے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں اور ان بیماریوں کو دور کرنے کے لیے راستہ بتائیں ۔ ان بیماریوں کو دور کرنے سے مثبت نتائج پیدا ھوں گے اور ثقافت کا غیر معمولی فروغ ھو گا ۔ تعلیم و تربیت کے ذریعہ فرد و معاشرہ میں قانون کی بالادستی و احترام ، نظم و ضبط ، امن و امان ، دوسروں سے محبت و رفاقت کے جذبہ کو فرد کے کردار میں شامل کرنے کے لیے غور کیا جائے ۔ جب تک یہ طرز عمل ھمارے قومی کردار کا حصہ نہیں بنے گا ، جب تک ان منفی قدروں سے پیدا ھونے والی خرابیوں کا شعور پیدا اور عام نہیں ھو گا ھم کسی قسم کی ذھنی ، تخلیقی یا ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ نہیں دے سکیں گے ۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا ۔

پروپیگنڈا اور کردار سازی کا عمل دونوں الگ الگ چیزیں ھیں۔ کردار سازی تخلیقی عمل ہے۔ زندگی کو بامقصد راستے پر لے جاتی ہے اور مثبت ، تخلیقی بامقصد و مفید سرگرمیاں اسی سے جنم لیتی ھیں ۔

قومی ثقافت کی تشکیل نو کے لیے ابتدائی تعلیم اور تعلیم بالغاں کا ایسا پروگرام شروع کیا جانا چاھئیے جس میں سرکاری اھل کار صرف سہارا دینے کا کام کریں، یہ ھدف سامنے رھے کہ تین سال کے عرصے میں ۸۰ فی صد آبادی کو خواندہ بنانا اور ان کی ذھنی تربیت کرنی ہے۔ ان کے لیے ایسی نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں جن سے فرد کی کردار سازی ھو سکے اور وہ ان قدروں کی اھمیت پر دل سے یقین کرنے لگے جن میں سچائی ، نظم و ضبط ، شجاعت ، حق گوئی و

بڑباکی ، امن و امان کی اهمیت ، اهلیت و صلاحیت کی منزلت ، حُبِ وطن ، انسان سے محبت اور قانون کا احترام شامل هوں۔ اسی نصاب میں اپنے ملک ، اپنے قومی ورثے ، اپنے ملک کے ماحول اور پاکستان کے وجود میں آنے کے اسباب سے بھی واقف کرایا جائے۔ یہ سب کام نیچے سے عوام کی سطح سے هونے چاهئیں تاکه اوپر سے غلاف کی طرح چڑھائیں جائیں جیسا که گذشته ۴۳ سال سے هوتا رها۔

جب تک معاشره میں بامقصد تعلیم عام نهیں هو گی ، جب تک معاشره کو بیدار نهیں کیا جائے گا ، جب تک عوام کو قوم کے بڑے دھارے میں شامل نهیں کیا جائے گا ، جب تک سب کے لیے معاشرتی و معاشی سطح پر یکساں انصاف فراهم نهیں کیا جائے گا ، جب تک اهلیت و صلاحیت کو غیر معمولی اهمیت نهیں دی جائے گی ، جب تک کوئی کارنامه انجام دینے پر فرد کے احساس افتخار کو سلام نهیں کیا جائے گا ثقافتی تشکیل کا کام ممکن نهیں هو گا۔

یه وه چند باتیں تھیں جو میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دی هیں۔ موضوع بڑا ہے اور وقت تنگ ہے اس لیے یه شعر پڑھ کر اب میں آپ سے اجازت چاهتا هوں :

آگے میاں نصیب ہے سرسبز هو نه هو
دل کی زمین میں تُخمِ محبت تو بو دیا

ادارہ تحقیقات اسلامی کی مقبول عام تصنیف

تقویم تاریخی

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

صفحات 378+26 قیمت عمومی ایڈیشن 65.00 روپے

لائبریری ایڈیشن 85.00 روپے

مورخین ، محققین اور تاریخ کے طلباء کے لئے ایک نادر تحفہ

- ہجری اور عیسوی سنین میں تطابق کے لئے سہل الاستعمال کلید

- مشاہیر اسلام کی وفیات اور تاریخ اسلام کے مشہور واقعات کی توقیت کا خزینہ

یہ تقابلی تقویم پندرھویں صدی ہجری کے اختتام تک آپ کو یہ جاننے میں مدد دیتی ہے کہ ہر ہجری مہینہ کی پہلی تاریخ کو عیسوی سن کی کیا تاریخ اور ہفتہ کا کون سا دن تھا، اس طرح کسی صدی کی کوئی ہجری تاریخ معلوم ہو تو اس کے مقابل عیسوی تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے اور بالعکس عیسوی تاریخ معلوم ہو تو اس کے مقابل ہجری تاریخ دریافت کی جا سکتی ہے ۔ طلباء اور محققین کیلئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے ۔

پچھلی چودہ صدیوں میں اہم تاریخی واقعات مزید برآں بعض مشاہیر اسلام کی وفات کا ذکر بھی متعلقہ تاریخوں کے ساتھ کر دیا گیا ہے ۔